QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

خواتین کے لیے منصب قضاء کی اہلیت: فقہائے احناف اور پاکستانی قوانین کا تقابلی مطالعہ

Eligibility of Women for the Judicial Office: A Comparative Study of Hanafi Jurisprudence and Pakistani Law

Muhammad Arif
Teaching Assistant, Department of Islamic & Religious Studies,
Hazara University, Mansehra, Pakistan.
Email: arif.hu1981@yahoo.com
Seemi Naz
Arabic Teacher, Department of Elementary and Secondary Education,
Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.
Email: seemiahtisham@gmail.com
Abdul Qadeer Siddiq
PhD Scholar, Department of Islamic & Religious Studies,
Hazara University, Mansehra, Pakistan.
Email: aq487214@gmail.com

Abstract

This study examines the eligibility of women for judicial office through a comparative analysis of classical Hanafi jurisprudence and the contemporary legal framework of Pakistan. While the Hanafi school has historically articulated specific conditions for the appointment of judgesemphasizing legal competence, moral integrity, and judicial aptitudethe question of women's judicial authority has remained a subject of nuanced debate. Classical Hanafi jurists present diverse interpretations, ranging from conditional acceptance of women's judicial roles to broader restrictions based on their readings of doctrinal principles. In contrast, the modern legal system of Pakistan, grounded in constitutional guarantees of equality and non-discrimination, recognizes women's full legal capacity to serve as judges at all levels of the judiciary, including the superior courts. This divergence between traditional juristic thought and contemporary constitutional practice underscores a significant research gap in the existing literature. Through an in-depth comparative approach, this study analyzes primary Hanafi legal texts, contemporary juristic opinions, constitutional provisions, statutory laws, and judicial precedents. The findings aim to identify areas of convergence and divergence between classical Islamic legal theory and Pakistan's modern legal structure. Ultimately, the research seeks to contribute to the scholarly discourse on harmonizing Islamic jurisprudence with contemporary legal realities, especially regarding women's evolving role in judicial institutions.

Keywords: *Women Judges; Hanafi Jurisprudence; Islamic Law; Judicial Eligibility; Pakistani Constitution; Gender and Judiciary; Comparative Legal Studies; Judicial Reform; Classical Fiqh; Legal Pluralism.*

تعارف موضوع

معاصر دور میں، بالخصوص پاکستان کے عدالتی و آئینی ڈھانچے میں، خواتین کو مختلف نوعیت کے عدالتی اور انتظامی عہدوں پر تقرری کا حق حاصل ہے۔ پاکستانی قانون و آئین نہ صرف مرد وزن کی قانونی مساوات کی ضمانت دیتے ہیں بلکہ اعلیٰ عدالتوں میں خواتین ججز کی تعیناتی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جدید قانونی نظام میں صنفی بنیاد پر قضاء کی اہلیت محدود نہیں کی گئی۔ اس صورتِ حال نے فقہی اصولوں اور ملکی قوانین کے مابین ایک

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

اہم تقابلی گفتگو کو جنم دیا ہے، جو یہ جانچنے کا تقاضا کرتی ہے کہ اسلامی فقہ بالخصوص فقہِ حنفی اور پاکستانی قانونی نظام میں اس مسئلے کا فکری رشتہ اور عملی تطبیق کس حد تک ہم آہنگ یا مختلف ہے۔

یہ تحقیق اسی علمی و عملی تناظر میں فقہائے احناف کی آراء اور پاکستانی قوانین کا تقابلی جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ احناف نے خواتین کی قضاء کے بارے میں کن شرائط و حدود کا تعین کیا، اور پاکستان کے قانون، عدالتی فیصلوں اور آئینی اصولوں میں اس مسئلے کی کیا حیثیت ہے۔ اس مطالعہ کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ موجودہ عدالتی نظام میں خواتین کی شمولیت کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں کس حد تک قابلِ فہم، قابلِ قبول اور قابلِ تطبیق بنایا جاسکتا ہے، اور معاصر قانونی و سماجی حالات اس بحث پر کیا اثرات مرتب کرتے ہیں۔

قضاء کی لغوی تحقیق:

لفظ "قضاء" عربی کے ثلاثی مجرد لفظ "قضی" سے ماخوذ ہے۔ جب اس میں آخر میں "ی" سے پہلے زائد "الف" شامل ہوتا ہے تو قواعد صرف کے مطابق یہ "ہمزہ" میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لفظ کی جمع "الأقضية" ہے اور اس کا باب "ضَرَبَ يَضرِبُ" ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے "قضاء" کا مفہوم "تحکم کرنا" اور "فیصلہ صادر کرنا" ہے۔ عربی میں ایک مثال کے طور پر کہا جاتا ہے:

وَاسْتَقْضِيَ فُلَانٌ، یعنی فلاں کو قاضی مقرر کیا گیا تاکہ عوام کے درمیان فیصلہ کرے۔ اسی طرح وَقَضَى الْأَمِيرُ قَاضِيًا کا مطلب ہوتا ہے جیسے کوئی امیر کسی کو حکم دیتا ہے۔

اصطلاحی طور پر "قضاء الشیء" کا مطلب ہے کہ کسی معاملے میں فیصلہ جاری ہوا، اس پر عمل کیا گیا، اور وہ معاملہ اپنے انجام تک پہنچا۔

عربی زبان میں لفظ "قضاء" کے کئی معانی ہیں، جن میں ایک اہم معنی "حکم دینا" بھی شامل ہے، جیسا کہ...وَ قَضٰى رَبُّكَ [1]

ترجمہ۔ اور تمہارے رب نے فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے:

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ [2]

ترجمہ: پھر اپنے دلوں میں اس حکم کے بارے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو آپ نے صادر فرمایا۔

قضاء کا اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں قضاء کے معنی ہیں:

,,فصل الخصومات وقطع المنازعات,,[3]

ترجمہ: جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور جھگڑوں کا ختم کرنا۔

اس تعریف کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرے سے مسائل و مشکلات دور اور ختم ہو جائیں تاکہ زندگی پر امن طریقے سے بسر کی جائے۔

---

[1] القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۲۳

[2] القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر:۶۵

[3] المحلي، علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحنفي (م: بعد 1080ھ)۔ الدر المختار شرح نور الأبصار، كتاب القضاء، تحقيق: عبد المنعم خليل ابراہيم، بيروت: دار الكتب العلمية، پہلی اشاعت، 1423ھ / 2002ء، ص 463۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

لفظ قضاء کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے:

،،الإخبارعن حكم شرعي على سبيل الإلزام،،[4]

ترجمہ: معاشرتی بہتری اور اجتماعی فلاح کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ شریعت کے احکام کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کیا جائے، کیونکہ اسلامی شریعت ہی وہ الٰہی نظام ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی نجات کے اصول مضمر ہیں۔ اسلامی احکام محض نظریاتی یا اطلاعی نوعیت کے حامل نہیں، بلکہ ان کے مؤثر نفاذ کے لیے ایک منظم اور بااختیار ادارہ جاتی نظام کی ضرورت ہوتی ہے، جو ان احکام کو عملی صورت میں نافذ کرے اور ان کے ثمرات معاشرے میں ظاہر ہوں۔ اسی نظام کے ذریعے معاشرے میں عدل، مساوات اور توازن قائم کیا جا سکتا ہے، جو کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ایک مثالی معاشرت کے قیام کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ,,**الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام** ,,میں تبصرہ یہ کیا گیا ہے کہ ، لفظ "قضاء" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اس طرح مداخلت کی جائے کہ لوگوں کے درمیان اللہ کے احکام کو کتاب و سنت کی روشنی میں نافذ کیا جائے۔[5]

لفظ قضاء کا اصطلاحی مفہوم و تعریف یہ بھی گئی ہے:

الزام مَنْ لَهُ الزام بِحُكم الشرع.[6]

ترجمہ: شریعت اسلامی کے احکام کو نافذ کرنے والے کے اختیار کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان احکام کو لازمی طور پر عمل میں لائے۔

اس کی ایک مکمل اور جامع تعریف یہ کی گئی ہے کہ قضاء کا مقصد فیصلہ سناتے وقت الزام عائد کرنا ہوتا ہے، تاکہ اختلافات کا خاتمہ ہو، لوگوں پر موجود مشکلات دور ہوں، حدود کا نفاذ ہو اور مظلوم کی حمایت کی جائے۔[7]

اگر ہم اس تعریف کو دیکھیں تو یہ نہ صرف وسیع ہے بلکہ معاشرتی مسائل کے تمام پہلوؤں کا احاطہ بھی کرتی ہے۔

لفظ قضاء کا شرعی مفہوم ابن رشد یوں فرماتے ہیں: قضاء کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کا اظہار کسی واجب التعمیل فیصلے کی صورت میں کیا جائے۔

علامہ ابن عابدین علامہ قاسم سے نقل کرتے ہیں۔

دنیوی معاملات میں جو جھگڑے پیدا ہوں انکے بارے میں کسی اجتہاد کے فیصلے کو لازمی قرار دینے کا نام قضاء ہے[8]

---

[4] برہان الدين ابن فرحون، ابراہيم بن على بن محمد العمرى (متوفى 799ھ)، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام، الباب الأول: في بيان حقيقة القضاء ومعناه وحكمه وحكمته، مكتبة الكليات الأزهرية، الطبعة الأولى، 1406هـ/ 1986م، ج 1، ص ،١١

[5] بن فرحون، برهان الدين، ابراهيم بن علي بن محمد (متوفى 799هـ-)، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام، الباب الأول: في بيان حقيقة القضاء ومعناه وحكمه وحكمته، مكتبة الكليات الأزهرية، الطبعة الأولى، 1406هـ-/ 1986م، ج 1، ص 11۔

[6] الدسوقي، محمد بن أحمد بن عرفة المالكي (متوفى 1230هـ-)، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، باب الجهاد، دار الفكر، بدون طبعة وبدون تاريخ۔

[7] ابن منظور، محمد بن مكرم الأنصاري الإفريقي (متوفى 711هـ-)، لسان العرب، دار صادر، بيروت، مادة "عدل"، ج 2، ص 174۔

[8] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر الدمشقي (متوفى 1252هـ-)، رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، المعروف ب-"حاشية ابن عابدين"، دار الفكر، بيروت، ج 5، ص 352

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

قضاء کا تعارف:

دنیا کی ہر شے کا حقیقی خالق اور مالک اللہ رب العزت ہے۔[9] ان میں سے بعض پر ہم ترقی کے نقطہ نظر کے لحاظ سے مسلط ہیں[10] اور کچھ کو طاقت کے ذریعے قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔[11] انسان پر انسان کا یہ غلبہ طاقت اور کمزوری، گھر اور فطرت وغیرہ کی حکمت سے متعلق ہے، اس لیے اسے پرکھا جاسکتا ہے۔[12]

انہی اصولوں اور حکمتوں کی بنیاد پر مہذب معاشرے بنتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں جو ان کی بقا کی وجہ ہے۔ تاہم چونکہ انسانی فطرت مختلف ہے اس لیے ترجیحات بھی مختلف ہیں اور بعض اوقات تنازعات بھی جنم لیتے ہیں۔ مسائل پیدا ہوتے ہیں، اور یہ مسائل پیچیدگیوں کا باعث بن سکتے ہیں، بعض اوقات لڑائی اور فسادات کی صورت میں۔ ترجیحات کو متعین کرنے، مسائل کو حل کرنے اور تنازعات کو روکنے کے لیے، اس نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے قانون سازی کی، جس میں فریقین کی پسند وناپسند کے بجائے عالمی امن اور عوامی مفاد کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ اسے انصاف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان انصاف پسند قوانین کو قومی نظام میں شامل کر لیا جائے تو جرائم کی روک تھام ہو گی اور امن و صلح بھی ہو سکے گی۔

قرآن کریم میں ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ ---القرآن

ترجمہ: پس جب تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلاف یا جھگڑا پیدا ہو جائے، تو اگر تم واقعی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، تو اس کا فیصلہ اللہ کی نازل کردہ ہدایت اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کرو۔

چونکہ فیصلے کا کامل حق صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے، جن کے احکام ہر قسم کی خطاء، تعصب اور ناحق سے مبرا ہوتے ہیں، اس لیے جب کسی معاملے میں نزاع یا اختلاف جنم لے، تو اسے غیر شرعی قوانین کے بجائے شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں حل کرنا ہی قرینِ عدل و حکمت ہے۔ اگر کسی معاملے کو انسانی وضع کردہ قوانین کے تحت سلجھانے کی کوشش کی جائے، تو اس میں بسا اوقات پیچیدگی اور غیر یقینی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں "اللہ کی طرف رجوع" سے مراد ہے کہ کسی بھی تنازعے کا حل قرآن کے احکام سے اخذ کیا جائے، اور "رسول ﷺ کی طرف رجوع" کا مطلب یہ ہے کہ سنتِ نبوی کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے۔ اس قرآنی ہدایت کا اصل مدعا معاشرے میں عدل و انصاف کو یقینی بنانا ہے، اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی شریعت انسانی زندگی کے تمام مسائل کا جامع اور اٹل حل پیش کرتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس رجوع کو ایمان کا معیار قرار دیا ہے۔

اِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى [13]

---

[9] القرآن، سورۃ الانعام، آیت نمبر:۱۰۲

[10] القرآن، سورۃ الجاثیہ آیت نمبر:۱۰۲

[11] القرآن، سورۃ الزخرف: آیت نمبر:۳۲

[12] القرآن، سورۃ لانعام آیت نمبر:۶۵

[13] القرآن، سورۃ النحل: آیت نمبر:۹۰

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

ترجمہ: باری تعالیٰ عدل، احسان اور قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی تلقین فرماتا ہے۔

اسلام میں عدل و انصاف کو جو بنیادی مقام حاصل ہے، اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خود ربِ ذوالجلال نے اپنی ذاتِ اقدس پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ بات ایک حدیثِ قدسی میں واضح طور پر بیان ہوئی ہے، جو اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ عدل فقط انسانی سماج کے لیے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اعلیٰ میں بھی شامل ہے۔ یہ امر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات عدل کی اساس پر استوار ہیں اور ظلم کو ہر حال میں ناپسندیدہ اور ممنوع قرار دیتی ہیں۔

'' يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ [14]

ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے اپنے پر ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے، اور تمہارے لیے بھی اسے ممنوع قرار دیا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی کسی دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔

یہی سبب ہے کہ حقیقی عدل و انصاف صرف الہامی مذاہب میں ممکن ہے، کیونکہ جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں، وہاں کسی ناانصافی کی گنجائش نہیں، تو پھر ان احکام کو نافذ کرنے اور بیان کرنے والوں کے لیے بھی کسی زیادتی کی کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

منصب قضاء کے لیئے خواتین کی اہلیت اور فقہائے احناف

کسی شخص کا منصب قضاء پر تقرر اسی وقت درست ہو گا جب اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں۔

1۔ عاقل ہو۔

2۔ بالغ ہو۔

3۔ مسلمان ہو۔

4۔ آزاد ہو۔

5۔ بینا ہو، اندھا نہ ہو۔

6۔ بولنے والا ہو، گونگا نہ ہو۔

7۔ سننے والا ہو، بالکل بہرا نہ ہو۔

8۔ حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو۔[15]

علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ "فان قلد القضاء صبی أو مختل العقل كانت ولايته باطلة واحكامه مردودة - فان قلد و هو سليم العقل ثم طرء عليه الجنون بطلت ولايته

ترجمہ: کسی مجنون اور مختل الحواس شخص کی تقرری منصب قضاء پر درست نہیں ہو گی۔ اور اگر کوئی صحیح العقل منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد خدانخواستہ پاگل ہو جائے تو اس کی ولایت کالعدم قرار پائے گی۔ اسی طرح، کسی نابالغ کو اس منصب پر فائز کرنا بھی مناسب نہیں۔

مسلم بن الحجاج، أبو الحسن العشيري النيسابوري ،المتوفى: 261)، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صل الله عليه وسلم ، باب تحريم الظلم، دار را حياء التراث العربي، بيروت، ج 4، ص 1994

15 الكاسانى، علاء الدين ابو بكر بن مسعود۔ بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، جلد ۷، صفحہ ۳، بيروت: دار الكتب العلمية،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

[16]، علامہ شامی نے فرمایا ہے"اعلم أن تقليد الكافر صحيح وأن لم يصح قضاءه ولا على المسلم حال كفره ،الكافر يجوز تقليده القضاء ليحكم بين أهل الذمة "[17]

ترجمہ: کسی غیر مسلم کو قاضی کے منصب پر فائز نہیں کیا جا سکتا، تاہم اگر امیر اہلِ ذمہ کے باہمی معاملات کے فیصلے کے لیے ان میں سے کسی فرد کو قاضی مقرر کرے تو یہ قابلِ قبول ہو گا

علامہ شیخ خلیل فرماتے ہیں کہ

"فاما الاعمى فلا يجوز تقليده ولو عمى بعد التقليد بطلت ولايته لانه لا يفرق بين الطالب والمطلوب ,واما سلامة السمع والبصرفان القاضي عياض حكي فيه الاجماع من العلماء مالك وغيره وهو المعروف الاما حكاه الماوردي عن مالك أنه يجوز قضاء الاعمى وذالك غير معروف ولا يصح عن مالك ابن فرحون - تبصرة الاحكام ونفذ حكم أعمى وابكم وأهم ووجب عزله[18]

ترجمہ:" جہاں تک اندھے (قاضی) کا تعلق ہے تو اس کی تقلی-د (یعنی اسے منصبِ قضاء پر مقرر کرنا) جائز نہیں ہے، اور اگر وہ تقلی کے بعد اندھا ہو جائے تو اس کی ولایت (قضاء) باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ مدعی اور مدعیٰ علیہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔ رہا سمع و بصر کی سلامتی کا مسئلہ، تو قاضی عیاض نے اس بارے میں علماء امام مالک و غیرہ کا اجماع نقل کیا ہے، اور یہی معروف قول ہے۔ سوائے اس کے جو ماوردی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اندھے کا قاضی ہونا جائز ہے، مگر یہ قول معروف نہیں اور نہ ہی امام مالک کی طرف اس کی صحیح نسبت ثابت ہے۔ اور (اگر تقرر کے بعد) اندھے، گونگے یا بہرے قاضی کا فیصلہ نافذ کیا گیا ہو تو اسے نافذ تسلیم کیا جائے گا، لیکن اس پر عزل واجب ہے۔" اور علامہ حصکفی[19] بھی انہی شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔

وَلا تَصِحُّ قَضَاءُ الْمَرْأَةِ، وَلَوْ فِي غَيْرِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ، عَلَى الصَّحِيحِ، وَقِيلَ: يَصِحُّ فِي غَيْرِهِمَا لِأَنَّهَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ فِيهَا.[20]

ترجمہ: عورت کو فقہ حنفی میں قاضی کے طور پر مقرر کیا جا سکتا ہے، مگر وہ حدود و قصاص کے مقدمات میں فیصلہ نہیں کر سکتی۔ جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وَلَا يَجُوزُ أَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ قَاضِيَةً، لأَنَّ ذَلِكَ مُنَاطٌ بِالْوِلَايَةِ الْعَامَّةِ، وَلَيْسَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِهَا.[21]

---

16 ، ماوردی، ابو الحسن على بن محمد۔ ادب القاضی، جلد ۱، صفحہ ۶۱۹،تا ۶۲۱، بیروت: دار الكتب العلمية،

17 ، ابن عابدين، محمد امين بن عمر۔ رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، جلد 4، صفحہ ۴۱۵۔ بيروت: دار الفكر، 1412ھ/1992ء۔

18 ، مختصر الشخ خليل ف الفقه، ص ۲۰۷

19 ، در مختار ،ص ۴۱۹ ،ج ۴

20 الدر المختار مع رد المحتار، جلد ۴، صفحہ ۴۱۵، باب ,مطبوعہ دار عالم الكتب، بیروت

21 ، المهذب في فقة الإمام الشافعي، المولف،أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: 476هـ-)، الناشر: دار الكتب العلمية، ج۳ ص۳۷۶

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

ترجمہ: امام شافعی نے عمومی طور پر عورت کی قضا کو صحیح نہیں مانا، جبکہ امام ابن جریر طبری اس کے جواز کے قائل ہیں۔[22]

وَيَشْتَرِطُ فِي الْقَاضِي سَبْعَةُ أَوْصَافٍ: أَنْ يَكُونَ مُسْلِمًا، حُرًّا، بَالِغًا، عَاقِلًا، عَدْلًا، سَمِيعًا بَصِيرًا، وَأَنْ يَكُونَ فَقِيهًا... فَأَمَّا غَيْرُ الْمُسْلِمِ فَلَا تَجُوزُ وِلَايَتُهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّهُ لَا يَأْمَنُ أَنْ يُخَالِفَهُم فِي أَحْكَامِ دِينِهِمْ[23]

ترجمہ: فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر کسی غیر مسلم کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی قضا کا مقصد یہ ہے کہ احکام شریعت کی روشنی میں لوگوں کے درمیان جھگڑوں کا خاتمہ کیا جائے، تنازعات کا حل نکالا جائے اور مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے۔ کافر اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتا ہے اور اسلامی شریعت کے قوانین سے ناآشنا ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کا منکر کسی مسلمان کے لیے قاضی کا منصب سنبھالنے کا اہل نہیں ہے۔

وَأَمَّا الشُّرُوطُ فَهِيَ سَبْعَةٌ: الْإِسْلَامُ، وَالْعَقْلُ، وَالْبُلُوغُ، وَالْحُرِّيَّةُ، وَالْعَدَالَةُ، وَالْعِلْمُ، وَسَلَامَةُ الْحَوَاسِّ... لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَا تَصِحُّ وِلَايَتُهُ عَلَى نَفْسِهِ فَكَيْفَ يُوَلَّى عَلَى غَيْرِهِ[24]

ترجمہ: بلوغ: فقہاء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ قاضی کے منصب پر تقرری کے لیے بالغ ہونا ضروری شرط ہے۔

اور کوئی بھی نابالغ فرد قاضی کے طور پر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء نے اس شرط کی ضرورت کو ثابت کرنے کے لیے مختلف احادیث سے استدلال کیا ہے۔

وَيَشْتَرِطُ فِي الْقَاضِي سَبْعَةُ أَوْصَافٍ: أَنْ يَكُونَ مُسْلِمًا، حُرًّا، بَالِغًا، عَاقِلًا، عَدْلًا، سَمِيعًا بَصِيرًا، وَأَنْ يَكُونَ فَقِيهًا[25]

عقل: فقہاء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ قاضی کے منصب پر فائز ہونے کے لیے عقل کا ہونا لازم ہے ۔یعنی کسی ایسے شخص کو، جو عقل سے محروم ہو یا ذہنی طور پر معذور ہو، قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء اسلام قاضی کے منصب پر تقرر کے لیے مطلوبہ شخص میں عقل کی شرط پائے جانے کے لیے تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ عصر حاضر میں بھی یہی طریقہ کار جو قانون کی تعلیم میں خصوصاً اعلیٰ سند یافتہ ہو۔ نہ کہ عام شہری جو اس سلسلے میں اہلیت نہیں رکھتا۔

آزاد: قاضی کے منصب پر تقرری کے لیے اس شرط کے بارے میں فقہاء اسلام کے دو اقوال ہیں:

جمہور فقہاء کے نزدیک ایک شخص کا قضاء کے منصب پر تقرری کے لیے اس کا آزاد ہونا بھی شرط ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی کے منصب کے تقرر کے لیے کسی شخص کا آزاد ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ کسی غلام کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء سلف میں سے بعض بلند پایہ فقہاء جن میں قاضی شریح (م ۷۸ھ) وابن سیرین (م ۱۱۰ھ) اور ابن حزم الاندلسی (م ۴۵۶ھ) شامل ہیں کا یہی قول

22 الكاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد ۷، صفحه ۳، باب "بیع فاسد"، مطبوعه دار الكتب العلمية، بیروت،

23 الماوردی، الأحكام السلطانية، باب "ذكر شروط الإمام"، ص ۶۹، مطبوعه دار الكتب العلمية، بیروت، ۲۰۰۰ء

24 الكاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد ۷، صفحه ۳، باب "بیع فاسد"، مطبوعه دار الكتب العلمية، بیروت،

25 الكاسانی بدائع الصنائع ،ج ۷ ص ۱۲۳،ابن فرحون،تبصرة الحكام،،ج ۱ ص ۲۳

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

ہے اور بعض حنابلہ بھی اس بات کی حمایت کرتے ہیں کہ غلام کی قضا کے منصب پر تقرری اس کے آقا کی اجازت اور رضامندی سے مشروط ہونی چاہیے۔[26]

قاضی کے لیے جنس کی شرط:

اسلامی فقہی روایت میں قضاء کے منصب کے لیے عورت کی اہلیت کے حوالے سے فقہاء کے مابین تین مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی اور غالب رائے یہ ہے کہ قاضی کے عہدے پر صرف مرد ہی فائز ہو سکتا ہے، اور عورت کو اس منصب کے لیے کسی بھی صورت میں موزوں نہیں سمجھا گیا۔ اس رائے کے مطابق، عورت کو نہ تو ان معاملات میں قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے جو صرف مردوں کے باہمی تنازعات سے متعلق ہوں، اور نہ ہی ان معاملات میں جو مرد و زن کے درمیان پیش آئیں۔ حتیٰ کہ وہ حدود، قصاص، مالی تنازعات یا دیگر عدالتی مقدمات میں بھی منصب قضاء کی اہل نہیں سمجھی جاتی۔

یہ رائے جمہور فقہائے اسلام کی ہے[27]، جنہوں نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور اجماع امت کو دلیل بنایا ہے۔ مثلاً، سورہ نساء کی آیت "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ[28]" میں مرد کو عورت پر قوام یعنی نگہبان اور نگران قرار دیا گیا ہے، جس سے مرد کو ایک نوع کی قیادت و ذمہ داری حاصل ہے۔ قضاء کا منصب چونکہ معاشرتی قیادت اور فیصلہ سازی سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اسے مرد کے ساتھ خاص کیا گیا۔

اسی طرح، نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب فارس کے باشندوں نے اپنے حکمران کی وفات کے بعد اُس کی بیٹی کو تخت پر بٹھایا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' *لن یفلح قوم ولوا أمرھم امرأۃ* " یعنی "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے معاملات کی سربراہی کسی عورت کو سونپی ہو۔" اس روایت سے فقہاء استدلال کرتے ہیں کہ عورت کو منصبِ عدالت پر فائز کرنا شرعاً درست نہیں۔[29]

> عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيَانِ فِي النَّارِ---الحديث[30]
>
> ایک حدیث میں حضرت ابوبریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" : قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں، جن میں سے ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ جو جان بوجھ کر ناحق فیصلہ کرے، وہ جہنمی ہے اور جو بغیر علم کے فیصلہ کرے، وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ صرف وہی قاضی جنت میں جائے گا جو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے"۔
>
> اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قاضی کے لیے "رجل "کا لفظ استعمال فرمایا، جو بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاضی کے منصب کے لیے مرد ہونا ضروری ہے، اور اس سے یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ عورت قضا کی اہل نہیں ہو سکتی۔

---

[26] ،ابن حجر، فتح الباری، ج ۵، ص ۲۶۸ ،موفق الدین عبد اللله بن احمد ،بن قدامه، المقنع فی فقه السنه، ج ۳، ص ۶۹۶، المحلی، ج ۱۰، ص ۶۴۲

[27] الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد ۷، صفحه ۳، باب "بیع فاسد"، مطبوعه دار الکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۰ء

[28] [28] القرآن ،سورة النساء ،آیت نمبر:۳۳

[29] البخاری، صحیح بخاری، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۷۰۹۹، سنن نسائی، کتاب ادب القاضی، ج، ۸، ص ۲۲۷

[30] ، الترمذی، کتاب الحکام، حیث نمبر ۳۳۱۵، الحکم، المستدرک، ج ۴، ص ۹۰

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

جمہور فقہاء یہ استدلال بھی پیش کرتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دور سے لے کر بعد کے اسلامی ادوار تک کسی بھی خاتون کو قاضی مقرر نہیں کیا گیا۔ اگر عورت کو یہ منصب سونپنا جائز ہوتا تو خلفائے راشدین اور بعد کے حکمران لازمی طور پر کسی خاتون کو اس عہدے پر فائز کرتے۔ لہٰذا، کسی بھی اسلامی ریاست میں خواتین کو قاضی نہ بنانے کا یہ مسلسل عمل ایک اجماعی حیثیت رکھتا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو قضاء کے منصب پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔[31]

احناف اور فقہاء ثلاثہ کا اختلاف

قاضی کو اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لیے مردوں کی محفلوں سے سابقہ پیش آتا ہے اسے متخاصم گروہوں کے اقوال سننے پڑتے ہیں۔ گواہوں کی شہادت اور مطلوبہ معاملہ میں حق تک پہنچنے کے لیے دیگر تحقیقات کے دوران اس کا زیادہ تر معاملہ مردوں ہی سے پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کمال درجے کا فہم رکھتا ہو اور ہر امر میں صاحب رائے ہونے کے ساتھ ساتھ فیصلہ کرنے کی بھی قوت کا حامل ہو اور کسی بھی حالت میں اپنے جذبات کی ذد میں بہنے والا نہ ہو لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عورت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ عورت کے لیے مردوں کی محفل میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس کے لیے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ دو غیر محرم مردوں کو دیکھے، اور نہ ہی کسی غیر محرم مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عورت کو دیکھے۔ اسی طرح وہ کسی بھی معاملہ کی تحقیقات کے لیے مطلوبہ کاروائی کی اہل نہیں ہوتی۔ دوسری طرف مرد کے مقابلہ میں کم عقل اور ناقص تفکر کی مالک ہوتی ہے۔ وہ صاحب رائے نہیں ہوتی اور فیصلہ کی قوت بھی نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں وہ وقتی جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے اور اس میں موجود رحمت وشفقت کا مادہ بھی اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے ان وجوہات کے بناء پر عورت کو قاضی یا جج مقرر کرنا عقلا درست نہیں۔[32]

جہاں تک ایسی مثالوں کا تعلق ہے جن میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں نے اپنے آپ کو زیادہ باصلاحیت ثابت کیا ہے۔ تو ایسی مثالیں بہت ہی شاذونادر ہیں اور شریعت اسلام کے احکامات کسی امر نادر کے بجائے امر غالب کی بنیاد پر مرتب ہوتے ہیں۔

فقہاء احناف کے نزدیک حدود و قصاص سے تعلق رکھنے والے معالات کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت حدود و قصاص کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں گواہی دینے کی اہل ہے اور اگر وہ شہادت دینے کی اہل ہے تو دوان معاملات میں قضا کی بھی اہل ہو گی۔ چنانچہ ان معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔[33]

---

[31] ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، جلد ۹، صفحہ ۴۰، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، بیروت،

[32] ابن فرحون ابراہیم بن علی بن محمد، تبصرۃ الحکامکتبہ الکلیات الامری ۱۹۸۶، ج ۱۲ ص ۲۴

[33] الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد ۷، صفحہ ۳، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۰ء۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

فقہاء سلف میں سے جمہور فقہاء اور امام ابن حزم الظاہری کا اختلاف ہے جمہور فقہاء کے بر خلاف رائے رکھتے ہیں کہ عورت کو معاملات میں قضاء کا منصب سپرد کیا جاسکتا ہے، خواہ یہ معاملات مالی تنازعات سے متعلق ہوں یا حدود قصاص سے متعلق ہوں'عورت مرد ہی کی طرح تمام معاملات میں فیصلہ کے لیے قاضی مقرر کی جاسکتی ہے۔ فقہاء کا یہ گروہ اپنے مذہب کی تائید ان دلائل سے پیش کرتا ہے[34]

جیسے قرآن کریم میں اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ [35]

امام ابن حزم اپنی رائے کی حمایت میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ عمومی ہے اور مرد، عورت، آزاد و غلام سب کے لیے یکساں احکام ہیں، جب تک کہ کسی کے لیے تخصیص نہ کی گئی ہو۔ ان کے مطابق، شریعت میں ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے جو عورت کے قاضی بننے سے منع نہیں کرتی ہو۔ امام ابن حزم الظاہری جمہور فقہاء کے اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتے کہ عورت کو قضاء کے منصب پر فائز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان "وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے معاملات کی ذمہ داری عورت کے سپرد کی "کو صرف خلافت کے منصب تک محدود سمجھتے ہیں اور اسے قضاء کے منصب پر لاگو نہیں کرتے۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے"۔ امام ابن حزم کے مطابق، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے سوا دیگر تمام مناصب پر عورت فائز ہو سکتی ہے اور قاضی مقرر کیے جانے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک امام ابن حزم کی پیش کردہ دلیل درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان "لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة "اس عمومی آیت کی تخصیص کرتا ہے اور عورت کو قضاء کے منصب پر فائز کرنے سے روکتا ہے۔ مزید بر آں، جمہور فقہاء کے مطابق، اس حدیث میں "ولو "کا لفظ عام اور خاص دونوں طرح کی قیادت پر دلالت کرتا ہے، جس کے تحت عورت کو کسی بھی قسم کی ولایت نہیں دی جاسکتی۔ امام ابن حزم کا یہ کہنا کہ اس کا اطلاق صرف خلافت پر ہوتا ہے، جمہور کے مطابق، درست تعبیر نہیں بلکہ یہ ہر طرح کی ولایت کو شامل کرتا ہے۔

امام ابن حزم اپنے مؤقف کے حق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کے دوران ایک خاتون الشفاء کو بازار کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان کے خیال میں، چونکہ بازار کی نگرانی اور قضا دونوں ہی قیادت کے دائرے میں آتے ہیں، اس لیے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو قاضی بنایا جاسکتا ہے۔[36]

---

[34] الشوكانی، محمد بن علی بن محمد، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، تحقيق: عصام الدين الصبابلى، دار الحديث، مصر، 1993، جلد 8، صفحہ ۸۳

[35] القرآن ۔سورة النساء ،آیت نمبر۵۸

[36] ابن حزم، ابو حمد علی بن احمد بن سعد، الاندلسی المجلی با الاثار دار الفکر بیروت، مطمن ،ج ۹ ،ص ۵۲۷

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

تاہم، جمہور فقہاء اس روایت کی صحت کو قبول نہیں کرتے اور اس کی نسبت کو درست نہیں سمجھتے۔ علامہ ابو بکر ابن العربی (متوفی ۳۴۳ ہجری) اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ درست نہیں اور اس کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا صحیح نہیں، اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔[37]

جمہو فقہاء اور ابن جریر طبری کا اختلاف

علامہ ابن جریر الطبری عورت کے قاضی بننے کے جواز کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر عورت فتویٰ دے سکتی ہے تو اسے قضاء کے منصب پر بھی فائز کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں ہی شرعی مسائل کے فیصلے سے متعلق ہیں۔[38]

جمہور فقہاء اس استدلال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ قضاء اور افتاء میں بنیادی فرق ہے۔ مفتی کا فتویٰ لازم نہیں ہوتا، اور لوگ اسے قبول یا رد کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، جبکہ قاضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ لہٰذا، عورت کے فتویٰ دینے کی اہلیت کو قضاء کے منصب پر قیاس کرنا درست نہیں۔[39]

علامہ ابو الحسن الماوردی کے مطابق، عورت کے فتویٰ دینے اور گواہی دینے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ یہ مناصب براہ راست ولایت سے تعلق نہیں رکھتے۔ تاہم، جب معاملہ کسی انتظامی یا عدالتی ولایت سے جڑا ہو، تو عورت کو اس کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔[40]

بعض علماء معاصرین کی آراء کا جائزہ:

خواتین کے بطور قاضی تقرری کے حوالے سے معاصر علماء کی بھی ایک اہم رائے ہے جو وقت و حالات کے پیش نظر دی گئیں ہیں جن میں چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳م) مذکورہ حدیث

" لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة "

کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حکومت کو بنیادی طور پر تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جو تام بھی ہو اور عام بھی، یعنی جس میں حکمران مکمل خود مختاری رکھتا ہو اور کسی اعلیٰ اختیار کی منظوری کا محتاج نہ ہو، جبکہ اس کی حکمرانی کسی محدود گروہ تک محدود نہ ہو بلکہ پوری قوم پر ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو تام تو ہو مگر عام نہ ہو، یعنی حکمران خود مختار تو ہو مگر اس کی حکمرانی کسی خاص جماعت یا مخصوص دائرے تک محدود ہو۔ تیسری قسم وہ ہے جو عام تو ہو مگر تام نہ ہو، جیسا کہ جمہوری طرز حکومت، جہاں حاکم بظاہر اقتدار رکھتا ہے، مگر اصل اختیار ایک مشاورتی ادارے کے پاس ہوتا ہے۔

---

[37] ابن العربي " محمد بن عبد الله المعروف وان العربي احكام القرآن مصر مطبعه عيسى المجلى -ج ٣ص ١۴۴۵

[38] ، شوکانی محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار تحقیق: عصام الدین الصبابلی، دار الحدیث، مصر، ۱۹۹۳ ۱۸ ص ۱۲۹۸ این حریم المحلی جام ص،۸۳

[39] الماوردی،ادب القاضی، ج،۱،س ٦٢٨

[40] ابن قدامه، المغنی ،ج ،۹، ص ۴۰

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ممانعت پہلی قسم کی حکومت کے متعلق ہے، جیسا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا تھا۔ اس بنا پر بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ موجودہ دور میں عہدوں اور ریاستی ذمہ داریوں کی نوعیت بدل چکی ہے اور چونکہ آج کے دور میں عورت کسی ایسی مکمل خودمختار سلطنت کی حاکم نہیں ہوتی، لہٰذا وہ مخصوص شرائط کے تحت قضاء کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے، سوائے حدود و قصاص کے معاملات کے، جن کی سماعت عورت نہیں کر سکتی۔[41]

ڈاکٹر محمود احمد غازی[42](م. ۲۰۱۰ء) کے مطابق، عورت قاضی بن کر تمام معاملات کے فیصلے کر سکتی ہے، سوائے حدود و قصاص کے مقدمات کے، کیونکہ جس طرح ان معاملات میں عورت کی شہادت قبول نہیں کی جاتی، اسی طرح اس کا فیصلہ بھی معتبر نہیں ہوگا۔[43] تاہم، وہ بعض حالات میں حدود و قصاص کے مقدمات میں عورت کی گواہی کے قائل نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی (م. ۱۹۲۶ء) بھی اس رائے کے حامی ہیں۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ بیسویں صدی کے وسط میں **الازہر** کی طرف سے جاری کردہ ایک فتویٰ، جس میں عوامی عہدے مردوں کے لیے مختص قرار دیے گئے تھے، اس وقت کے حالات کے مطابق دیا گیا تھا۔ ان کے مطابق، اگر اس فتویٰ کے مفتی آج زندہ ہوتے اور جدید سماجی تبدیلیوں کا مشاہدہ کرتے، تو وہ شاید اجتہاد کے ذریعے نئے فیصلے تک پہنچتے۔[44]

وہ اس تصور کو مسترد کرتے ہیں کہ ملکہ سبا کے واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کو حکمرانی کا اختیار نہیں دیا جا سکتا، یا یہ کہ حدیث "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے امور کا نگہبان عورت کو بنایا" کسی بھی حکومتی منصب میں عورت کی شمولیت کی ممانعت کرتی ہے۔ ان کے نزدیک، اس حدیث کا مفہوم صرف مطلق العنان حکمرانی پر لاگو ہوتا ہے، جیسا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی وفات کے بعد اس کی بیٹی کو بادشاہ بنایا تھا، جو مکمل خودمختار حکمران ہوتی تھی۔[45]

وھبہ زحیلی بنو قریظہ (م. ۲۰۱۵ء) کے مطابق، قضاء ایک ایسا عہدہ ہے جو کامل رائے، گہری عقل، معاملہ فہمی اور عملی تجربے کا متقاضی ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ صفات زیادہ تر مردوں میں پائی جاتی ہیں، جبکہ عورت عمومی طور پر ایسی تجربہ کاری نہیں رکھتی۔ مزید برآں، قاضی کو فقہاء، مفتیان، اور گواہوں کے ساتھ مجالست رکھنی ہوتی ہے، اور چونکہ عورت کے لیے مردوں کے ساتھ زیادہ نشست و برخاست مناسب نہیں سمجھی جاتی، اس لیے وہ قضاء کے لیے موزوں نہیں۔ تاہم، حنفی فقہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عورت دیوانی مقدمات میں قاضی بن سکتی ہے، کیونکہ مالی و دیوانی معاملات میں اس کی گواہی کو قبول کیا گیا ہے۔

---

[41] تھانوی اشرف علی، مولانا امداد الفتاوی ترتیب جدید: مفتی محمد شفیع، مکتبہ دار العلوم کراچی ۲۰۱۰ء۱۵ ص ۱۰۳

[42] محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع ۴، مئی ۲۰۰۸، ص ۲۸۳، محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع ۴، مئی ۲۰۰۸، ص ۱۰۵)

[43] غازی محمود احمد، ڈاکٹر ادب القاضی، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۲۲۳

[44] یوسف القرضاوی فتاوی معاصر اردو ترجمہ: سید زاہد اصغر فلامی، البدرہ پبلیکیشنز راحت مارکیٹ اردو بازار کالاہور، ۲۰۱۲ ک، ۲ ص ۱۹۴۔۱۹۸

[45] یوسف القرضاوی فتاوی معاصر اردو ترجمہ: سید زاہد اصغر فلامی، البدرہ پبلیکیشنز راحت مارکیٹ اردو بازار کالاہور، ۲۰۱۲ ک، ۲ ص ۱۹۴۔۱۹۸

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

انہوں نے ابن جریر طبری کے اس نقطہ نظر کا بھی ذکر کیا کہ اگر عورت کے لیے مفتی بننا جائز ہے تو وہ قاضی بھی بن سکتی ہے، کیونکہ دونوں عہدے قانونی امور میں رائے دینے سے متعلق ہیں۔[46]

خواتین کی منصبِ قضاء کے لیے اہلیت اور پاکستانی قوانین

پاکستان کے آئینی و قانونی نظام میں خواتین کو عدلیہ کے مختلف عہدوں پر تقرر کرنے میں کسی قسم کی صنفی پابندی نہیں ہے۔ آئین پاکستان 1973 کی شقیں واضح طور پر خواتین کو قانونی برابری اور سرکاری ملازمتوں میں عدم امتیاز کی ضمانت دیتی ہیں۔ آرٹیکل 25 کے تحت تمام شہری قانون کے سامنے برابر ہیں اور کسی بھی بنیاد پر، بشمول جنس، امتیاز جائز نہیں ہے[47]

اسی طرح، آرٹیکل 27 سرکاری ملازمتوں میں صنف کی بنیاد پر تفریق کی ممانعت کرتا ہے[48]

آرٹیکل 175 A- ججز کی تقرری کے طریقہ کار کی وضاحت کرتا ہے، مگر جنس کے حوالے سے کوئی شرط عائد نہیں کی گئی[49]

مزید برآں، آرٹیکل 203 C- فیڈرل شریعت کورٹ کے ججز کی اہلیت میں بھی خواتین کے لیے کسی پابندی کا تعین نہیں کرتا[50]

آرٹیکل 227 کے تحت تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہونے چاہئیں، تاہم عدلیہ اور فیڈرل شریعت کورٹ نے واضح کیا ہے کہ خواتین ججز کی تعیناتی اسلامی شریعت کے منافی نہیں ہے[51]

عدالتی نظائر میں بھی یہ پوزیشن واضح ہے؛ مثلاً فیڈرل شریعت کورٹ کے 2015 کے فیصلے میں کہا گیا کہ خواتین ججز کی تقرری شریعت کے خلاف نہیں ہے[52]۔ اسی طرح سندھ ہائی کورٹ نے 2010 میں فیصلہ دیا کہ آئین میں خواتین کی عدالتی تقرری پر کوئی پابندی موجود نہیں ہے[53]۔ پاکستان کی عدلیہ میں عملی مثال کے طور پر 2022 میں جسٹس عائشہ ملک کی سپریم کورٹ میں تعیناتی ہوئی، جو خواتین کے آئینی اور قانونی حقوق کی عملی تصدیق ہے[54]

مزید برآں، پاکستان کی عدالتی خدمات کے قواعد وضوابط (Judicial Service Rules) اور پاکستان پینل کوڈ کی دفعات بھی خواتین کو سرکاری اور عدالتی عہدوں کے لیے مکمل اہلیت فراہم کرتی ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستانی آئین اور قوانین خواتین کی منصبِ قضاء میں

[46] وہبہ زحیلی 200 الفقہ الاسلامی اردو ترجمہ مولانا محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت کراچی ج ۸، ص ۲۹۰

[47] Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973, Article 25

[48] Ibid., Article 27.A

[49] Ibid., Article 175-A

[50] Ibid., Article 203-C

[51] Ibid., Judges.

[51] Government of Pakistan, Ministry of Law & Justice, Notification of Appointment of Justice Ayesha Malik, 2022 Article 227.

[52] Federal Shariat Court, Judgment on Appointment of Female Judges, PLD 2015 FSC

[53] PLD 2010 Karachi 72, Sindh High Court Judgment on Women Judges.

[54] Government of Pakistan, Ministry of Law & Justice, Notification of Appointment of Justice Ayesha Malik, 2022

شمولیت کو مکمل طور پر تسلیم کرتے ہیں اور اس میں کوئی قانونی یا آئینی رکاوٹ نہیں ہے۔[55] اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ پاکستان میں خواتین کی عدلیہ میں شمولیت نہ صرف آئینی حق ہے بلکہ عدالتی سسٹم اور شریعت کے تقاضوں کے مطابق بھی جائز ہے، اور یہ ایک مضبوط قانونی اور سماجی جواز رکھتی ہے۔

معاصر مسلم دنیا میں خواتین کی بطور ججز تقرری:

۱۹۷۴ء میں پہلی خاتون، خالدہ راشد خان، کو پاکستان میں بطور اینٹی کرپشن جج کے عہدے پر مقرر کیا گیا تھا، اس کے بعد انہیں ۱۹۹۴ء میں ہائی کورٹ میں جسٹس۔ اور 2003 میں وہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ذریعہ منتخب ہونے والی مستقل جج کے طور پر نامزد ہو گئیں پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے بھی اسلامی دلائل کی بنیاد پر خواتین ججوں کی تقرری کی توثیق کی ہے۔"[56]

پاکستان میں اس وقت تعلیم کے شعبہ میں خواتین کی تعداد دن بدن زیادہ ہوتی جارہی ہے یعنی طب، معیشت اور سیاسیات وغیرہ کے شعبہ میں خواتین اعلی تعلیم حاصل کر رہی ہیں تو وہاں قانون میں بھی سندیافتہ خواتین کی کوئی کمی نہیں ہے، اور اسی طرح باقی مسلم دنیا میں بھی خواتین میں قانون کی تعلیم کے حصول کے رجحانات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت ساری خواتین بطور ججز خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ انڈونیشیا دنیا میں سب سے زیادہ مسلم اکثریت والا ملک ہے اس نے اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق فرائض منصبی میں مرد وعورت میں کوئی تفریق نہیں رکھی:

"In 1989, the Religious Judiciary Act codified the selection andappointment of female Islamic court judges[57]

واضح رہے کہ پہلی بار خواتین ججز کی تقرری ۱۹۶۴ میں عمل آئی تھی جن میں دو خواتین Civil ججز اور ۵ اخواتین پارٹ ٹائم اسلامی عدالت میں بطور ججز منتخب ہوئیں۔[58]

انڈونیشیا میں جو سرکاری طور پر اپنا فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اور ججز کو وزارت انصاف منتخب کرتے تا۔ ۱۹۸۹ء میں پہلی پر اسلامی عدالت کے ججوں کی تقرری میں دو خواتین ججز کا بھی انتخاب کیا گیا۔ اور اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ خواتین ججز کا ہونا ضروری ہے۔ عدالتی چینل میں خواتین جب بطور ججز نامزد ہونے لگیں تو اس بارے میں وہاں کے بعض حلقوں نے تشویش کا اظہار کیا تھا۔ تاہم اب وہاں پر خواتین کا عدلیہ میں کردار زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ خواتین کے مسائل کے حوالے سے خواتین ججز کی پینل میں موجودگی خواتین کے مسائل کے حل میں اہم کردار کرتی ہے۔[59]

مصر میں بھی تقریباً یہی صورت حال رہی ہے ۱۹۲۳ میں مصر کے آئین میں مرد وعورت دونوں کو برابر جنس قرار دیا گیا۔[60] ۱۹۵۶ کے آرٹیکل ۳۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ مصری قانون کے سامنے سب برابر ہیں حقوق اور عوامی فرائض میں جنس کی کوئی تمیز نہیں۔ تاہم خواتین کا بطور ججز تقرری

---

[55] Pakistan Judicial Service Rules, 2010; Pakistan Penal Code, 1860, Section 21.

[56] *Pld {pakistan legal decision }{1983}fsc73*

[57] *E Abdelkader, "To Judge or Not to Judge: A Comparative Analysis of Islam Jurisprudential Approaches to Female Judges in the Muslim World (Indonesia Egypt and Iran)", Fordham International Law Journal 37/2 (2014), pp. 30*

[59] *E Abdelkader, "To Judge or Not to Judge: A Comparative Analysis of Islam Jurisprudential Approaches to Female Judges in the Muslim World (Indonesia Egypt and Iran)", Fordham International Law Journal 37/2 (2014), pp. 30*

[60] *Nadia sonneveld, Women judges in the muslim World ,Brill, leiden boston, PP 248*

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اس ضمن میں ۱۹۷۹ء میں دو خواتین نے ججز شپ کے لیے درخواست دی تاہم جنس کی بنیاد پر دو درخواستیں نامنظور ہوئیں۔[61]

اور اس سے پہلے از ہر یونیورسٹی کے علماء نے ۱۹۵۲ میں فتوی دیا تھا کہ عورت کی تقرری بحیثیت قاضی یا جج کے حوالے سے تین فقہی مسالک میں جائز نہیں یعنی اکثریت نے اس کو جائز نہیں سمجھا، تاہم حنفی مسلک میں اس کی گنجائش موجود ہے۔[62]

۱۹۸۸ء میں ایک خاتون جنہوں نے قانون کی اعلی تعلیم حاصل کی جج کے عہدے کے لیے درخواست دائر کی لیکن صنفی تفاوت کی بنیاد پر اس کو رد کیا گیا۔

۱۹۹۰ میں موصوفہ نے اعلی عدالت میں اپیل دائر کی لیکن وہ بھی بے سود رہی۔ آخر کار ۲۰۰۰ء میں مصر کے اس وقت کے صدر حسن مبارک نے طہانی نامی ایک قانون دان خاتون کا پہلی مرتبہ مصر میں جج کے طور پر تقرر کیا۔ اور اسی طرح ۲۰۰۳ء میں مصر میں حنفی مسلک کو اس حوالے سے اپنایا گیا اور وہاں پر باقاعدہ طور پر اس کی اجازت دی گئی۔ جس کے تناظر میں صدر حسن مبارک نے ۲۰۰۷ء میں مزید ۳۱ خواتین ججز کی تقرری کی۔

تقابلی جائزہ

فقہائے احناف اور پاکستانی قانونی نظام کا تقابلی مطالعہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ خواتین کے لیے منصبِ قضاء کی اہلیت ایک ایسا موضوع ہے جس پر دونوں نظاموں میں نہ صرف اصولی اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ ان کے پسِ منظر اور استدلال بھی ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔

فقہائے احناف کے نزدیک قضاء ایک نہایت اہم اور باریک منصب ہے، جس کے لیے قاضی کا علم و فقاہت، عدالت، تقویٰ اور ضبطِ نفس بنیادی شرائط میں شمار ہوتی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قاضی کی صفات میں "العلم والعدالة والتقوى "بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہی صفات قضا کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں[63]۔ تاہم خواتین کے قاضی بننے کے حوالے سے احناف کا عمومی رجحان احتیاط پر مبنی رہا ہے۔ فقہائے احناف نے عورت کی قضا کو عمومی عدالتی دائرہ) *القضاء العام* (میں تسلیم نہیں کیا اور اس سلسلے میں اصول مقرر کیا:

"لا ولاية للمرأة في القضاء العام *"A woman cannot exercise general judicial authority."*[64]

احناف کے اس رجحان کی بنیاد اس دور کے سماجی ڈھانچے، سیاسی ضروریات، عوامی معاملات میں براہ راست مداخلت، اور عدالتی امور سے متعلق عملی مشکلات پر رکھی گئی۔

اس کے بالمقابل پاکستانی قانونی و آئینی نظام میں عورت اور مرد دونوں کو مساوی قانونی و شہری حیثیت حاصل ہے۔ آئین پاکستان 1973 کی دفعہ 25 میں ریاست کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ جنس کی بنیاد پر کسی قسم کی تفریق روا نہ رکھے۔

"The State shall not discriminate on the basis of sex."[65]

---

61 Ibid 285

62 Abu Hanifia Mohamed Abdullah & Mohd Yazid hin Zul Kepli, "Women Judges in Shariah Court: Why Not?" in [2008] Shariah Law Reports, at p.10

[63] امام ابو حنیفہ، *الفقہ الاکبر*، تحقیق: علی سامی النشار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2011، صفحہ 302۔

[64] ابن جریر الطبری، *جامع البیان عن تاویل آی القرآن*، جلد 5، دار إحياء التراث العربي، بیروت، 2001، صفحہ 58۔

[65] Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973, Article 25, Government of Pakistan Publication.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

مزید برآں، دفعہ 193 اور 195 کے مطابق جج کی تقرری کے لیے جنس کوئی شرط یا رکاوٹ نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عدلیہ کے اعلیٰ ترین مناصب تک خواتین کی رسائی آئینی طور پر محفوظ ہے۔ پاکستانی عدلیہ میں خواتین کی شمولیت کا عملی ثبوت سپریم کورٹ میں جسٹس عائشہ ملک کی تقرری ہے، جو اس بات کی روشن مثال ہے کہ جدید قانونی نظام عدالتی ذمہ داریوں کی اہلیت کو صنفی بنیادوں پر محدود نہیں کرتا۔[66]

یوں دونوں نظاموں کا تقابلی جائزہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ فقہ احناف میں عورت کی عدالتی اہلیت کا تصور زیادہ تر اس دور کی معاشرتی ساخت، شرعی تعبیرات اور عملی تقاضوں کے تابع تھا، جبکہ پاکستانی قانونی نظام جدید جمہوری، آئینی اور مساوات پر مبنی اصولوں کے مطابق خواتین کو مکمل عدالتی اختیارات کا اہل تسلیم کرتا ہے۔ اس فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہی اور آئینی نقطہ ہائے نظر اپنے اپنے زمانی و معاشرتی پس منظر کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوتے ہیں، اور آج کے قانونی تناظر نے خواتین کو عدلیہ میں وہ مقام دیا ہے جو کلاسیکی فقہی تعبیرات میں محدود تصور کیا جاتا تھا۔

نتائج

1۔ فقہ حنفی میں خواتین کے جج بننے کا مسئلہ: فقہائے احناف خصوصاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک خواتین دیوانی اور مالی معاملات میں قاضی بن سکتی ہیں، مگر حدود و قصاص میں قضا کا اختیار نہیں رکھتیں۔

2۔ اہلیت کے اصول جنس سے بالاتر: کلاسیکی فقہاء قاضی کے لیے عقل، عدل، علم، اور دیانت کو لازمی شرط قرار دیتے ہیں اور جنس کو رکاوٹ نہیں مانتے، جس سے خواتین کے قاضی بننے کی اہلیت ثابت ہوتی ہے۔

3۔ پاکستانی آئین میں صنفی امتیاز ممنوع: آئینِ پاکستان (آرٹیکلز 25، 27، A175، 203–C) واضح طور پر قانون کے سامنے مساوات کی ضمانت دیتا ہے اور خواتین کی عدلیہ میں شمولیت پر پابندی نہیں۔

4۔ عدالتی فیصلوں کی توثیق: وفاقی شرعی عدالت (PLD 2015 FSC) اور سپریم کورٹ پاکستان کے فیصلے، بشمول جسٹس عائشہ ملک کی تقرری، اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ خواتین کے جج بننے میں کوئی شرعی یا آئینی رکاوٹ نہیں۔

5۔ فقہ حنفی اور پاکستانی قوانین کی ہم آہنگی: فقہ حنفی میں قاضی کے لیے مقرر کردہ اصول (عقل، عدل، علم، صلاحیت) جدید پاکستانی عدالتی اہلیت کے معیار سے مطابقت رکھتے ہیں اور صنفی رکاوٹ پیدا نہیں کرتے۔

6۔ تقابلی مطالعے کا حتمی نتیجہ: فقہائے احناف کی شرعی تشریحات، جدید فقہی آراء، اور پاکستان کے آئینی و قانونی ڈھانچے کی روشنی میں واضح ہے کہ خواتین عدلیہ میں مکمل طور پر اہل اور قابل ہیں، اور ان کی تقرری شرعاً اور قانونی طور پر جائز ہے۔

[66] *Supreme Court of Pakistan, Female Judges Profile, Supreme Court Official Record (Accessed 2024*